رسائل و مسائل

مچھلی کے بلا ذبح حلال ہونے کی دلیل

سوال:- میری نظر سے "ترجمان القرآن" کا ایک پرانا پرچہ گذرا تھا جس میں انگلستان کے ایک طالب علم نے گوشت وغیرہ کھانے کے متعلق اپنی مشکلات پیش کی تھیں۔ جس کے جواب میں آنجناب نے فرمایا تھا کہ وہ یہودیوں کا ذبیحہ یا مچھلی کا گوشت کھا یا کرے۔ مجھے یہاں موخر الذکر یعنی مچھلی غیر ذبح شدہ پر آپ سے کچھ عرض کرنا ہے۔ کیونکہ غالباً آپ بھی جمہور مسلمانان عالم کی طرح اس کا گوشت کھانا حلال خیال فرماتے ہیں۔

میرے خیال میں حلال و حرام کا فیصلہ بغیر اللہ تعالیٰ کے کسی انسان کا حق نہیں ہے کیونکہ خدا کا حکم ہے کہ ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ۱۶-۱۱۵/۱۶۔ لیکن قرآن کی رُو سے مچھلی غیر ذبح شدہ کی حرمت تو موجود ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک حیوان ہے۔ اور تمام حیوانات کو بغیر سؤر، کتا، بلی وغیرہ مستثنیات (مچھلی) ذبح کرنے کا حکم صریحاً موجود ہے۔ مثلاً :-

۱- حرمت علیکم المیتۃ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ ذالکم فسق ۳/۵ (مچھلی بھی میتۃ میں شامل ہے۔)

۲- یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبٰت ۔ ۔ ۔ ۔ فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم اللہ علیہ ۔ ۔ ۔ الخ ۴/۵ یہاں تمام طیبات کو

ذبح کرنے اور ان پر خدا کا نام لینے کی تصریح ہے۔ مچھلی کی استثناء نہیں ہے۔

۳۔ فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بآیاتہ مومنین (۱۱۹/۶) یہ اثباتی پہلو ہے اسی امر کا کہ صرف خدا کے نام کا ذبح شدہ جانور کھایا کرو۔ یہاں بھی مچھلی بغیر ذبح شدہ کی استثناء نہیں ہے۔ بلکہ اسے خدا کا نام لے کر باقی حیوانات کی طرح ذبح کرنا چاہیے۔

۴۔ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ وانہ لفسق (۱۲۱/۶) یہ نہی کا پہلو ہے۔ یہاں تصریف آیات کے بہترین نمونے ہیں تاکہ اگر ایک طرح سے کوئی سمجھ نہ سکے تو دوسری طرح سے سمجھ جائے۔ اثباتی اور نہی ہر دو پہلو قرآن کے عام اسلوب کے مطابق اس معاملہ میں بھی موجود ہیں۔ اور یہاں تو غیر ذبح شدہ حیوان کو کھانا فسق قرار دیا گیا ہے۔ یہاں پر بھی "الا السمک والجراد" کے الفاظ بھی نہیں ہیں۔ لہٰذا غیر ذبح شدہ مچھلی کا گوشت کھانا قطعاً حرام ہے۔

اب عرض ہے کہ مچھلی غیر ذبح شدہ کی حلت اگر کہیں قرآن کریم میں ذکر کی گئی ہے تو مہربانی فرما کر مجھے بذریعہ "ترجمان القرآن" مطلع فرمائیں۔ عام علماء اسلام تو "ما وجدنا علیہ آباءنا" کی دلیل پیش کر کے چھٹکارا حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ قرآن کے بیّن احکام کی موجودگی میں اس قسم کی دلیل ہرگز کام نہیں دے سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مچھلی غیر ذبح شدہ کو حلال قرار دیا گیا ہے، لیکن قرآن کے مقابلہ میں قرآن کی دلیل پیش ہونی چاہیے۔ ہم ان احادیث کو تو بسر و چشم مان لیتے ہیں جو قرآن کے موافق ہوں لیکن اگر کوئی حدیث قرآن کے صریح فرمان کے خلاف ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہرگز نہیں فرمائی بلکہ موضوع ہے اور احادیث کو قرآن پر قاضی سمجھنا تو خارج از بحث ہے۔

لہٰذا چونکہ بندہ آنجناب کے سامنے قرآن کے دلائل پیش کرتا ہے اس لیے استدعا

ہے کہ آپ بھی قرآن ہی سے دلائل پیش کریں۔ چار دلائل کے مقابلہ میں ایک دلیل بھی کافی سمجھی جائے گی۔

جواب:- یہ تو خوشی کی بات ہے کہ آپ قرآن مجید میں تدبّر فرماتے ہیں، مگر آپ کے سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ تدبر کی غلط راہ پر پڑ گئے ہیں۔ قرآن پر تدبر کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تبیین اور آپ کے شاگرد صحابہ کی توضیحات اور ابتدا سے آج تک کے تمام علماء، فقہاء، محدثین اور مفسرین کی تحقیقات، اور امت کے متواتر تعامل، ہر چیز سے بے نیاز ہو کر بس مصحف کے الفاظ میں تدبّر فرمائیں، اور جو کچھ اس سے آپ کی سمجھ میں آئے اس کے متعلق یہ سمجھ بیٹھیں کہ بس یہی حق ہے اور اس کے خلاف جو کچھ بھی کہیں پایا جاتا ہے وہ ردّ کر دینے کے لائق ہے خواہ وہ احادیث و آثار میں ہو یا فقہائے امت کی تحقیقات میں، یا اس پر امت کا متواتر عمل پایا جاتا ہو۔ معاف فرمائیے، یہ طریقہ اگر آپ اختیار فرمائیں گے تو قرآن سے ہدایت پانے کے بجائے گمراہی اخذ فرمائیں گے۔ یُضلّ بہ کثیراً و یھدی بہ کثیراً وما یضل بہ الا الفسقین الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ و یقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل و یفسدون فی الارض۔ آپ بُرا نہ مانیں۔ آپ تدبر کا یہ طریقہ اختیار کر کے اللہ کی کتاب کا تعلق اس کے نبی کی تبیین سے کاٹتے ہیں حالانکہ اللہ نے خود اس کو جوڑا ہے (وما انزلنا علیک الکتاب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ)۔ اس لیے آپ اپنے آپ کو اس خطرے میں ڈال رہے ہیں کہ کتاب اللہ سے آپ کو ہدایت کے بجائے ضلالت ملے۔

کتاب اللہ کو سمجھنے کے لیے احادیث و آثار اور سلف کی تحقیقات کی طرف رجوع کرنا ہرگز وہ فعل نہیں ہے جس پر ما وجدنا علیہ آباءنا کی پھبتی کسی جا سکتی ہو۔ یہ قرآن کی آیات کو قرآن کے منشا کے خلاف استعمال کرنے کی ایک بدترین مثال ہے۔ قرآن نے یہ بات جہاں بھی فرمائی ہے اُن لوگوں کی مذمت میں فرمائی ہے جو اپنے غیر ہدایت یافتہ آباء و اجداد کے

طریقہ کی اندھی پیروی کر رہے تھے۔ اس کو اُن لوگوں پر چسپاں کرنا جو کتاب الٰہی کا علم رکھنے والے لوگوں کی طرف کتاب الٰہی کا منشا معلوم کرنے کے لیے رجوع کرتے ہیں، نہ صرف یہ کہ منطقی طور پر غلط ہے بلکہ خود قرآن کی تصریحات کے بھی خلاف ہے۔ اگر اس فعل کو آپ ما وجدنا علیہ آباءنا کے تحت لا کر قابلِ مذمت ٹھیراتے ہیں تو پھر قرآن کے ان ارشادات کا آخر آپ کے نزدیک کیا منشا ہے کہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون، اور اولئک الذین ھدی اللّٰہ فبھداھم اقتدہ ؟

آپ کی یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ ہر وہ چیز جو قرآن سے زائد، یا اس کے کسی بیان سے مختلف حدیث میں نظر آئے، وہ لازماً قرآن کے خلاف ہے اس لیے اسے رد کر دینا چاہیے قرآن میں اگر کوئی حکم عموم کے انداز میں بیان ہوا ہو، اور حدیث یہ بتائے کہ اس حکم عام کا اطلاق کن خاص صورتوں پر ہوتا ہے، تو یہ قرآن کے حکم کی نفی نہیں ہے بلکہ اس کی تشریح ہے اس تشریح کو اگر آپ قرآن کے خلاف ٹھیرا کر رد کر دیں گے اور ہر حکم عام کو اس کے عموم ہی پر رکھنے کے لیے اصرار کریں گے تو اس سے بے شمار قباحتیں پیدا ہوں گی جن کی مثالیں آپ کے سامنے پیش کروں تو آپ خود مان جائیں گے کہ فی الواقع یہ اصرار غلط ہے۔

آپ اصرار کے ساتھ مطالبہ فرماتے ہیں کہ ذبح کے بغیر مچھلی کے حلال ہونے کی کوئی دلیل قرآن سے پیش کروں۔ میں اس کا جواب عرض کرتا ہوں۔ مگر ابتدا ہی میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ جواب آپ کے اس مطالبہ کو اصولاً صحیح مان کر عرض نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ آپ کو یہ بتانے کے لیے عرض کیا جا رہا ہے کہ آپ کا مطالعۂ قرآن کس قدر سطحی ہے اور اس سطحی مطالعہ پر اعتماد کر کے آپ کا حدیث، تفسیر، فقہ، اور امت کے متواتر عمل، ہر چیز کو رد کر دینے پر آمادہ ہو جانا کتنی بڑی جسارت ہے۔ خدا کرے کہ میری اس تنبیہ کے بعد ہی آپ منکرین حدیث کے اٹھائے ہوئے فتنہ سے بچ جائیں اور تدبر فی القرآن کی صحیح روش اختیار کریں۔

پہلی بات تو اصولِ تفسیر سے متعلق ہے جسے آپ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ

قرآن مجید قانون کی زبان میں کلام نہیں کرتا بلکہ اس کا اسلوب بیان خطیبانہ ہوتا ہے۔ اور خطیبانہ اسلوب بیان میں نہ اُن چیزوں کی تصریح کی جاتی ہے جن کو مخاطب لوگ موقع و محل سے خود سمجھ رہے ہوں، اور نہ اُن رعایتوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے جو قانون کی دفعات مرتب کرتے وقت نظر میں رکھی جاتی ہیں۔ کیونکہ عام سامعین سے اس طرزِ کلام میں خطاب کرتے وقت یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ وہ الفاظ کو ان کے معروف حدود سے گھٹا یا بڑھا کر اُن کے قانونی حدود پر منطبق کر بیٹھیں گے۔ اس قاعدے کو سمجھنے کے بعد اگر آپ اُن آیات پر غور کریں گے جن سے آپ نے "ہر جانور کو ذبح کرنے اور بلا ذبح کسی جانور کے حلال نہ ہونے" کا قانونی کلیہ مستنبط کیا ہے تو آپ کو خود معلوم ہو جائیگا کہ وہاں موقع و محل اور سیاق و سباق اور عرف عام سے یہ بات آپ ہی واضح تھی کہ کلام دراصل انعام اور خشکی کے دوسرے جانوروں سے متعلق ہے نہ کہ پانی کے جانوروں سے متعلق۔ نیز یہ بات چونکہ عقل عام (Common Sense) سے تعلق رکھتی ہے کہ "ذبح کے بغیر کسی جانور کو نہ کھانے" کا حکم عام سُن کر کوئی معقول آدمی اسے مچھلیوں تک وسیع نہ سمجھے گا، اس لیے ایک غیر قانونی طرزِ کلام میں اس امر کی ضرورت نہ تھی کہ مچھلی کو اس سے مستثنیٰ کیا جاتا۔

اس کے بعد اب دیکھیے کہ قرآن میں خصوصیت کے ساتھ پانی کے جانوروں کے متعلق کیا حکم ملتا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہوا ہے اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ "تمہارے لیے حلال کیا گیا سمندر کا شکار اور اس کا طعام"۔ یہاں دو چیزیں لائق غور ہیں:-

اوّل یہ کہ "سمندر کا شکار حلال کیا گیا"۔ شکار سے مراد یہاں فعلِ شکار نہیں بلکہ شکار کیا ہوا جانور ہی ہو سکتا ہے کیونکہ محض فعلِ شکار کی تحلیل بے معنی ہے اگر اس کا کھانا حلال نہ ہو۔ اور جب اس شکار کے لیے کوئی خاص شرطِ تحلیل بیان نہیں کی گئی تو یہی بات سمجھی جائیگی کہ عام طور پر دنیا میں پانی کا شکار جس طرح استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح اس کے استعمال کو حلال کیا گیا ہے۔ اب آپ تلاش کر کے بتائیے کہ دنیا میں کب، کہاں مچھلیاں ذبح کی جاتی رہی ہیں کہ آپ صید البحر کے مفہوم میں عرفِ عام کے لحاظ سے شکار کی ہوئی مچھلیوں کے ذبح کو بھی شامل قرار دے سکیں؟ یہ ظاہر ہے کہ جس چیز کو ذبح کیے بغیر کھانا دنیا بھر میں معروف ہو اس کے معاملہ میں ذبح کے مشروط ہونے کی تو تصریح ضروری ہو گی مگر اس کے

مشروط نہ ہونے کی تصریح کی ضرورت نہیں ہے۔

دوم یہ کہ یہاں صید کے ساتھ ایک اور چیز کی تحلیل کا بھی ذکر ہے اور وہ ہے طعام البحر۔ سوال یہ ہے کہ یہ طعام البحر کیا ہے؟ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ طعامہٗ کی ضمیر بحر کی طرف نہیں بلکہ صید کی طرف پھرتی ہے اور اس کا مطلب ہے سمندری شکار کو کھانا۔ کیونکہ اگر یہ مطلب ہوتا تو طعامہٗ کے بجائے طعمُہٗ کہا جاتا۔ اس لیے لامحالہ یہ ضمیر سمندر ہی کی طرف پھرتی ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صید البحر کے علاوہ طعام البحر بھی حلال ہے۔ اس طعام البحر کی کوئی تفسیر آپ کر سکتے ہوں تو ضرور کریں مگر میں آپ کو یہ بتائے دیتا ہوں کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت ابن عباسؓ جیسے لوگوں نے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جسے شکار نہ کیا گیا ہو بلکہ جس کو سمندر نے ساحل پر لا ڈالا ہو۔ اور یہی بات خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی حضرت جابر بن عبداللہ نے نقل کی ہے کہ ما القاہ البحر او جزر عنہ فکلوہ (ابوداؤد) "جسے سمندر نے پھینک دیا ہو یا جسے ساحل پر چھوڑ کر سمندر کا پانی ہٹ گیا ہو اسے کھاؤ"۔ نیز اسی کی تفسیر یہ حدیث بھی ہے کہ "سمندری جانوروں کو اللہ نے بنی آدم کے لیے ذبح کر رکھا ہے"۔ (دارقطنی) اور یہ کہ "سمندر کا مرا ہوا حلال ہے" (موطا وغیرہ)۔ آپ چاہیں تو ان ساری تفسیروں کو رد فرما دیں، مگر براہِ کرم یہ بھی ضرور بتائیں کہ آپ خود صید البحر کے ساتھ "وطعامہٗ" کے حلال کیے جانے کا مطلب کیا سمجھتے ہیں؟

مچھلی کے بارے میں ابن قیم نے زاد المعاد (جلد دوم۔ فصل فی سریۃ الخبط) میں ایک لطیف بحث کی ہے۔ براہ کرم اس کو بھی ملاحظہ فرمالیجیے۔ اس میں انہوں نے نقلی دلائل کے سوا عقلی دلائل سے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ مچھلی کو ذبح کرنے کی درحقیقت کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ محض پانی سے نکل آنا ہی اس کے تذکیہ کے لیے کافی ہے۔

ترجمان القرآن کا آئندہ شمارہ

سالانہ اجتماع سے قبل ہی شائع ہو رہا ہے۔ اور اس میں مولانا امین احسن اصلاحی کے قلم سے ایک اہم مضمون درج ہوگا۔ انشاء اللہ!

"منیجر"